جذبۂ ترحم سے انسان کا قتل

(نوعیتِ مسئلہ، تاریخی اور شرعی نقطۂ نظر)

محمد شمیم اختر قاسمی*

جب کبھی کوئی آدمی شخصی یا گھریلو الجھنوں اور سماجی ذمہ داریوں سے دو چار ہوتا ہے، یا اپنے حسب منشا عہدہ ومنصب کے حصول میں نامراد ہوتا ہے، یا زندگی کے کسی بڑے امتحان میں ناکام ہوتا ہے تو وقتی طور پر اس کا رنج اسے بہت ہوتا ہے۔ اسی کرب میں کچھ لوگ خودکشی کے ذریعہ اپنی محترم جان کو ہلاک کر لیتے ہیں، تاکہ آئندہ ان کا واسطہ مزید ناکامیوں اور نامرادیوں سے نہ پڑے۔ اس نامناسب اقدام کو کسی بھی ملک اور سماج و معاشرہ میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا۔ اسلام بھی ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ جب کہ ملکی قانون میں یہ اقدام بذات خود قابل مواخذہ نہیں ہے، کیوں کہ ہر شخص اپنی ذات کا مالک ہے اور وہ اس میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ البتہ اقدام خودکشی کو جرم ضرور قرار دیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ کوئی شخص خودکشی کا اقدام کرے اور کسی وجہ سے وہ اس میں ناکام ہو جائے تو ایسی صورت میں اسے قید کی سزا دی جائے گی، جس کی مدت دس سال تک ہو سکتی ہے اور اسے مالی جرمانہ بھی ادا کرنا پڑ سکتا ہے۔(۱)

لیکن کیا کیا جائے مغربی تہذیب کا۔ اس نے ترقی اور مساوات کے نام پر انسانیت کے گلا گھونٹنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ ایک نیا مسئلہ جس کا دور دور تک مذہب سے تعلق نہیں اور جو انسانی اقدار و اخلاق کے بالکل منافی ہے، اسے جنم دیتا ہے اور جس کے بارے میں ابھی لوگوں نے سنجیدگی سے کوئی فیصلہ ہی نہیں کیا ہے کہ اسے قبول کیا جانا چاہیے یا نہیں اور اس کے کیا مثبت و منفی اثرات سماج و معاشرہ پر مرتب ہوں گے کہ دوسرا نیا مسئلہ جنم دے دیتا ہے۔ تاکہ انسانیت کی بہتر سے بہتر طریقے سے تذلیل و تحقیر ہوتی رہے اور جسے بالخصوص مسلم معاشرہ کے وہ افراد جو مذہب سے بے گانہ، مغربیت زدہ اور مادیت کے اسیر ہیں بلا چوں چرا تسلیم کر کے اس کے نفاذ پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ یہاں اس کی تشہیر و اشاعت کے لئے میدان کارزار میں بھی کود پڑتے ہیں۔ بعض سادہ لوح اور مذہب سے محبت رکھنے والے افراد اس پر اچنبھا ہوتے اور اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کا متبادل پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جو مذہبی نقطہ

* اسسٹنٹ پروفیسر عالیہ یونیورسٹی، کلکتہ، مغربی بنگال، انڈیا۔

نگاہ سے درست بھی ہوتا ہے تو اسے دقیانوس اور نامہذب انسان کے لقب سے نوازا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ مسئلہ بالکل نیا نہیں ہے، لیکن اس بازگشت ابھی پوری طرح سنائی بھی نہیں دیتی ہے اور جس سے لوگ کم واقف ہیں کہ کیا جذبۂ ترحم کی نیت سے کسی انسان کا جان بوجھ کر قتل کیا جاسکتا ہے یا نہیں اور یہ کہ یہ درست بھی ہے کہ نہیں۔ جب کہ اس عنوان/مسئلہ میں شامل لفظ قتل خود اس بات کا متقاضی ہے اور ترجمانی کرتا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی آدمی کسی انسان کے قتل کو تحسین کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا، چہ جائے کہ ہمدردی کے جذبہ سے کسی انسان کا قتل کیا جائے۔ زیرِنظر مضمون میں اسی مسئلہ کی وضاحت کی گئی ہے اور جائزہ لیا گیا ہے کہ اس کی اس وقت صورت حال کیا ہے۔

قتل بہ جذبۂ رحم (Euthanasia /Mercy Killing) کیا ہے؟

اگر کوئی شخص پیدائشی طور پر لاعلاج بیماری میں مبتلا ہے، یا عمر کے کسی بھی حصے میں وہ کسی لاعلاج اور مہلک بیماری کا شکار ہوجاتا ہے اور اس کی حالت مثل مردہ کے ہوجاتی ہے، جو خود سے اپنا کوئی کام نہیں کرسکتا ہے، یہاں تک کہ اس کے جسم پر جو مکھی بیٹھی ہوئی ہے، اسے بھی وہ اڑا نہیں سکتا ہے، اس کی ساری ضرورتوں کی تکمیل اس کے قریب ترین رشتہ دار انجام دیتے ہیں، تکلیف بھی اتنی شدید ہے کہ مریض ہر وقت کراہتا اور ایڑیاں رگڑتا رہتا ہے، اس کی تکلیف اس کے رشتہ داروں سے دیکھی نہیں جاتی اور اس کی وجہ سے اس کے احباب بھی ہر وقت ہراساں و پریشان رہتے ہیں۔ اسی طرح بعض مریضوں کو تکلیف کی شدت کم کرنے کے لئے دوا اور آلات کے ذریعہ مستقل طور پر بے ہوشی کی حالت میں رکھا جاتا ہے۔ اگر ان تدبیروں کو بروئے کار نہ لایا جائے تو مریض کا زندہ رہنا مشکل ہوجاتا ہے اور اس کی تکلیف میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ ایسے وقت میں مریض خود یا اس کے قریبی رشتہ دار چاہتے ہیں کہ ایسے شخص کا زندہ رہنا نہ رہنے کے برابر ہے، تو کیوں نہ اسے مناسب تدبیر کے ذریعہ موت کی آغوش میں پہنچا دیا جائے۔ اس طرح سے مریض کو بھی ناقابل برداشت تکلیف سے نجات مل جائے گی اور اس کے احباب کو بھی ان پریشانیوں سے چھٹکارا مل جائے گا، جو مریض کی دیکھ بھال اور اس کی خدمت کی وجہ سے پیش آتی ہیں۔ کبھی معالج بھی اس کے بقائے حیات کے سلسلے میں منفی فیصلہ لیتا یا مشورہ دیتا ہے۔ اسی عمل کو علم طب کی اصطلاح میں Euthanasia کہا جاتا ہے، جو ایک یونانی لفظ سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی اردو میں 'قتل بہ جذبۂ رحم'، 'قتل بہ جذبہ شفقت' اور 'رحم دلانہ قتل' کے ہیں۔ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے انگریزی زبان میں Mercy Killing اور Good Death کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں:

"Euthanasia is the practice of ending a person's life in order to free the person from incurable pain of disease or terminal illness. The word Euthanasia derives from the Greek for "good death" and

originally referred to intentional mercy killing. In modern times Euthanasia is limited to killing of patients at the request of the patients by the doctors to free the patient from terminal illness."(2)

ڈکشنری میں بھی اس کے معنی تقریباً یہی بیان کیے گئے ہیں:

"Frequently interpreted as the painless Killing of a person sufring from an incureble disease"(3)

قتل بہ جذبۂ رحم کی قسمیں:

عام طور سے قتل بہ جذبہ رحم یا رحم دلانہ قتل (Mercy Killing /Euthanasia) کی مندرجہ ذیل تین قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ رضا کارانہ(Voluntry Euthanasia)

۲۔ غیر رضا کارانہ(Involuntary Euthanasia)

۳۔ نادانستہ(Non-voluntary Euthanasia)

رضا کارانہEuthanasia یہ ہے کہ لاعلاج اور نا قابل برداشت تکلیف میں مبتلا مریض ازخود تحریری یا زبانی اجازت دے کہ اسے مناسب تدبیر کے ذریعہ قبل از وقت موت کی آغوش میں پہنچا دیا جائے۔(۴)

طبیب/ڈاکٹر یا کسی دوسرے آدمی کی مدد سے بھی Euthanasia کا عمل ہوتا ہے۔اس صورت میں فیصلہ خود مریض کا ہوتا ہے،البتہ معالج یا دوسرا آدمی اس کو مشورہ دیتا اور طریقہ بتاتا یا مرنے میں اس کا تعاون کرتا ہے۔ اسےAssisted Suicideاور Physician Assisted Suicide کہا جاتا ہے۔(۵)

غیر رضا کارانہ Euthanasia یہ ہے کہ اس میں مریض کی اجازت شامل نہیں ہوتی، بلکہ اس کی رائے معلوم کیے بغیر اسے موت کی آغوش میں پہنچا دیا جاتا ہے۔(٦) یہ فیصلہ مریض کی مرضی کے خلاف بھی ہوسکتا ہے۔

نادانستہ Euthanasia یہ ہے کہ لاعلاج اور نا قابل برداشت تکلیف میں مبتلا مریض اس حالت میں نہیں ہوتا کہ وہ اپنی زندگی اور موت کے بارے میں کوئی مثبت یا منفی فیصلہ کر سکے۔مثلاً بچہ یا مستقل طور پر بے ہوشی میں مبتلا شخص۔(۷)

قتل بہ جذبۂ رحم کے طریقے:

قتل بہ جذبۂ رحم چاہے رضا کارانہ ہو یا غیر رضا کارانہ کو مندرجہ ذیل دو طریقوں سے عمل میں لایا جاتا ہے:

عملی قتل بہ جذبہ رحم (Active Euthanasia)

غیر عملی قتل بہ جذبہ رَحم (Passive Euthanasia)(۸)

عملی (Active) یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مہلک بیماری مثلاً کینسر یا دماغی بخار (مینجائٹس) یا پھر طویل بے ہوشی میں مبتلا ہوجائے اور وہ تکلیف کی شدت سے جوجھ رہا ہو اور ڈاکٹروں نے بھی اس کی بیماری کو لاعلاج قرار دے دیا ہو اور اس کی بقاء زندگی کی بھی کوئی توقع نہ ہو، ہر طرح کی احتیاطی تدابیر اور دوا و علاج کے باوجود بھی اس کی تکلیف کے ازالہ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہو۔ ایسی صورت میں تکلیف کی شدت کو کم کرنے کے لئے مہلک انجکشن یا تیز دوائیں زیادہ مقدار میں مریض کو دے دی جائیں تاکہ اس کی سانس رک جائے اور وہ آسانی سے موت کی آغوش میں چلا جائے۔(۹)

یہ ایک طرح سے ارتکاب جرم ہے۔ کیوں کہ اس میں کسی کی جان ختم کرنے کے لئے مہلک مادہ یا آلہ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ رضا کارانہ اور غیر رضا کانہ دونوں طرح سے ہوسکتا ہے۔

غیر عملی (Passive) میں شدید تکلیف میں مبتلا شخص کو مارنے کی کوئی ترکیب نہیں کی جاتی، بلکہ مریض کو زندہ رکھنے کے لئے جو دوائیں یا آلات استعمال کیے جاتے ہیں اسے مریض سے روک لیا جاتا ہے، تاکہ وہ اپنی موت آپ مرجائے۔(۱۰)

گویا یہ ترک علاج ہے۔ یہ بھی رضا کارانہ اور غیر رضا کارانہ طریقے سے عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

لاعلاج بیماری میں اضافی تکلیف:

اسی غیر عملی Euthanasia کے تحت یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ کوئی شخص پیدائشی طور پر یا وقتی طور پر کسی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہے۔ مثلاً دماغی بخار، پولیو، نمونیہ، کینسر، یا شدید بڑھاپا یا اپاہج ہوجانا وغیرہ جو بذات خود مہلک اور تکلیف دہ بیماریاں ہیں، جن کا تسلی بخش علاج نہیں ہے۔ ایسی صورت میں وہ مزید کسی دوسری نئی بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے تو کیا اس نئی بیماری کا علاج کرایا جائے؟ یا نہیں، جب کہ وہ پہلے سے ہی لاعلاج بیماری میں مبتلا ہے اور اس نئی بیماری کے علاج سے شفایابی کے باوجود اس کی صحت پر کوئی خاص اثر پڑنے والا نہیں ہے۔

قتل بہ جذبۂ رَحم سے متعلق مریض:

قتل بہ جذبہ رَحم یا رحم دلانہ قتل سے متعلق کوئی بھی مریض ہوسکتا ہے۔ مثلاً ایک بچہ پیدائشی طور پر مفلوج اور اپاہج ہے، یا بعد میں وہ کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہوگیا، جس کا علاج زندگی کے کسی حصے میں بھی ممکن نہیں، پوری زندگی اسے بستر مرض پر پڑا رہنا پڑے گا، اپنے قریبی رشتہ داروں کے رحم وکرم پر وہ کسی طرح زندہ رہے گا۔ اسی طرح کوئی شخص عمر کی ساری منزلیں بہت اچھی طرح سے گزارنے کے بعد آخر میں جب اس پر بڑھاپا طاری ہوا تو

صحت بہت خراب ہوگئی، وہ اس لائق بھی نہیں رہا کہ اپنی کسی بھی ضرورت کی خود سے تکمیل کر سکے، اس کے حواس بھی اس قدر مختل ہو گئے کہ اچھے برے کی تمیز بھی جاتی رہی، تکلیف اور پریشانی کا غلبہ اس حد تک ہے کہ وہ ہر وقت تڑپتا اور چیختا چلاتا رہتا ہے۔ دوا سے بھی اس کی تکلیف کم نہیں ہوتی۔ مختصر یہ کہ عمر صحت کی کوئی قید نہیں، کسی وقت اور کبھی بھی کوئی آدمی مہلک اور لاعلاج بیماری میں مبتلا ہوسکتا ہے۔

قتل، خودکشی اور قتل بہ جذبۂ رَحم میں فرق:

اپنے جائز یا ناجائز مفاد کے حصول کی خاطر کسی دوسرے آدمی کو بے رحمانہ اور کسی بھی طریقے سے جان سے مار دیئے جانے کے عمل کو قتل کہا جاتا ہے۔اس میں مقتول کی مرضی مطلق شامل نہیں ہوتی۔ خودکشی ایسا عمل ہے جس میں ایک آدمی مختلف وجوہات کی بنا پر متعدد حربے اپنا کر خود کو موت کی آغوش میں پہنچا دیتا ہے۔ اس کے برعکس قتل بہ جذبۂ رَحم (Mercy Killing /Euthanasia) میں کوئی بھی شخص لاعلاج بیماری اور ناقابل برداشت تکالیف سے نجات پانے کے لئے دوسروں کی مدد سے موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ مقصد صرف شدید تکالیف سے نجات پانا ہوتا ہے۔ خودکشی کی وجوہات کچھ بھی ہوسکتی ہیں۔ یہ کام زیادہ تر وہ لوگ کرتے ہیں جو احساس کمتری کا شکار ہوتے ہیں یا جن کا دماغ مختل ہوتا ہے۔ یہ عمل وہ بھی کرتے ہیں جو ڈرگ، شراب اور الکحل کا بہ کثرت استعمال کرتے ہیں۔ قتل بہ جبر کیا جاتا ہے۔ خودکشی میں اپنی مرضی اور خود کا عمل شامل ہوتا ہے۔ قتل بہ جذبہ رَحم رضا کارانہ اور غیر رضا کارانہ دونوں طرح سے انجام دیا جاتا ہے۔ لیکن اس میں کہیں نہ کہیں کسی دوسرے آدمی بالخصوص معالج کا تعاون حاصل ہوتا ہے۔

مختلف مذاہب کی تعلیمات میں قتل بہ جذبۂ رَحم کا تصور

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مرض/ بیماری کی بھیانک صورتیں ہر عہد اور زمانے میں رونما ہوئی ہیں او رتکلیف کی حدوں کو پار کرنے کے باوجود بھی ناقابل علاج مریضوں کو ہر ممکن طریقے سے زندہ رکھنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ لیکن بعض شواہد سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دنیا کے کچھ مذاہب میں اس عمل کو جواز حاصل تھا۔ پروفیسر ڈاکٹر عمر کاسولے لکھتے ہیں:

> ’’ اس عمل کو قدیم یونانی اور روما میں مقبولیت حاصل تھی۔ ایشیائی مذاہب کی روایات Euthanasia کو قبول کرتی ہیں۔ بودھ دھرم شنٹو ازم، کنفوشیازم میں یہ جائز ہے۔ جب کہ تینوں سامی مذاہب یہودیت، اسلام اور عیسائیت اسے رد کرتے ہیں۔ Euthanasia کے حامی اور مخالف ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔‘‘(۱۱)

ہندو دھرم میں قتل بہ جذبہ تَرَحُّم کے تعلق سے دو نقطہ نظر پائے جاتے ہیں۔ایک یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مہلک بیماری سے دوچار ہے تو اسے موت کی آغوش میں پہنچا دیا جائے۔ان میں سے ہر دو شخص کے لئے یہ عمل مستحسن ہوگا۔دوسری فکر یہ ہے کہ اگر کوئی شخص دکھ بھری زندگی سے گزر رہا ہے اور وہ خود کو مار کر اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس عمل میں کسی کو مزاحمت نہیں کرنی چاہیے۔جو ایسا کرتا ہے گویا وہ اس کی دوسری زندگی یعنی 'آوا گمن' کی خلاف ورزی کرتا ہے اور جب تک وہ شخص زندہ رہے گا اور اس سے کوئی گناہ کا عمل سرزد ہوگا تو اس کا ذمہ دار وہی آدمی ہوگا جو اس کی موت میں مانع ہوا ہے۔وید میں کہا گیا ہے کہ:'انسان کی زندگی میں اس کے دو بھروسا مند دوست ہوتے ہیں، جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ایک علم (گیان) اور دوسرا موت (مرتیو)۔'اول الذکر زندگی کے لئے زیادہ مفید اور ضروری ہے۔بعد والا ایسا ہے، جس کو ٹالا نہیں جاسکتا،مگر اس کے بارے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کب تک وہ اس کے ساتھ رہے گا۔اس لئے قبل از وقت کسی کو موت تک پہنچا دینا گناہ نہیں ہے۔اگر سنیاسی اور سنیاسنی یہ طے کرے کہ وہ اپنی زندگی کو اس لئے ختم کر رہا/کررہی ہے کہ وہ اس کے ذریعہ نجات (موکشا) حاصل کرے تو مذہب کی رو سے اسے ایسا کرنے کی اجازت ہے۔(۱۲)

بدھ مذہب کی تعلیمات کی اساس رحم دلی وشفقت پر ہے۔اس لحاظ سے یہاں قتل بہ جذبہ رَحم کو جواز حاصل ہے، کیوں کہ ایک شخص شدید تکلیف سے دوچار ہے۔تاہم یہ بات درست نہیں ہے کہ زندگی کو فنا کیا جائے اگر چہ اس کا مقصد کچھ دوسرا ہی ہو۔'تھیرا وادا' بدھ ازم کے مطابق ایک شخص روزانہ یہ عہد کرتا ہے کہ میں پرہیز کروں گا کسی دوسرے کی جان کو فنا کرنے سے۔خاص طور پر بھکشوؤں میں تو یہ نظریہ زیادہ ہی عام ہے۔چنانچہ Monastic code (پتی موکھا) میں یہ صراحت موجود ہے:

> ''کسی بھکشو کے لئے یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ جان بوجھ کر زندگی کو ختم کرے، یا اپنے لئے کسی قاتل کو تلاش کرے جو اسے جان سے ماردے، یا موت کے فائدے بتائے، یا دوسرے کو مرنے پر اکسائے۔میرے بھائیو! یہ مفلسی اور تکلیف سے بھری زندگی کس کام کی؟ ایسی زندگی سے موت بہتر ہے۔یا اس طرح کے خیالات جو تمہارے دماغ میں ہیں، یا جو مقصد تمہارے ذہن میں ہے وہ مختلف طریقوں سے موت سے فائدہ اٹھانے یا مرنے کے لئے اکساتے ہیں۔''(۱۳)

جین مذہب کے آخری 'تر تی تھنکر' مہاویر وردھمان نے اپنے پیروکار (شراوک) کو اجازت دی ہے کہ وہ زندگی کو اپنی مرضی سے ختم کردے، اگر یہ محسوس کرے کہ وہ اپنی ریاضت کی اس منزل کو پہنچ گیا ہے جہاں سے وہ نجات پانے کے قریب ہے۔کیوں کہ زندگی سے نجات پانا ہی مذہب کا بنیادی مقصد ہے۔(۱۴)

سکھ مذہب میں بہت سے اخلاقی سوالات کا شافی جواب نہیں پایا جاتا ہے۔ تاہم ان کے بہت سے اصول ایسے ہیں جن سے ان کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔ سکھ مذہب کی تعلیمات کے مطابق زندگی کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، کیوں یہ عطیہ خداوندی ہے۔ اس لئے ان کی اکثریت قتل بہ جذبہ رحم سے اختلاف رکھتی ہیں۔ ان کا یہ بھی یقین ہے کہ زندگی اور موت کا وقت متعین ہے اور اس کا اختیار خدا کے پاس ہے۔ سکھوں کے مذہبی رہنما (گرو) نے خودکشی کا سرے سے انکار کیا ہے۔ وہ اسے خدا کے منصوبہ اور کام میں دخل اندازی سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے یا کسی پریشانی سے دوچار ہوتا ہے تو وہ اسے اس کے عمل کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ بغیر چون و چرا اور شکوہ وگلہ کے اس کو جھیلنے یا برداشت کرنے کے تیار رہے۔ یہاں اس بات کی بھی تعلیم ملتی ہے کہ ہمیں اپنی زندگی کو اس طرح ذمہ دارانہ طریقے سے بسر کرنا چاہیے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو۔ (۱۵)

یہودی مذہب کی بنیادی تعلیم یہی ہے کہ انسان کو اپنی زندگی کی حفاظت کی جدو جہد آخری لمحات تک کرتے رہنا چاہیے اور اس پر خوش ہونے کے ساتھ اپنے خالق کا بھی شکریہ ادا کرتے رہنا چاہیے۔ یہ اس کا دینی و اخلاقی فریضہ ہے۔ وہ اس بات کو حرام قرار دیتا ہے کہ کسی پریشانی کے وقت انسان اپنی زندگی میں کمی بیشی کرے اور اطبا سے اس کام (گھٹانے بڑھانے) میں مدد لے۔ یہودی تعلیمات کے مطابق انسان کی زندگی کی قدر و قیمت لا محدود ہے جس کو ناپا اور تولا نہیں جاسکتا۔ اس لئے زندگی کا کوئی بھی حصہ چاہے وہ ایک گھنٹہ ہو یا ایک سکنڈ اس کی اہمیت اتنی ہی ہے جتنی ستر سالہ زندگی کی۔ یہ اسی طرح ہے جیسے لامحدود کا کوئی محدود نہیں ہوتا اور جو غیر منقسم ہوتا ہے۔ (۱۶)

نصرانیت کی اکثریت قتل بہ جذبہ رحم کے خلاف ہے۔ وہ زندگی کو خدا کی عطا کردہ نعمت سمجھتے اور انسان کو اس کا عکس تصور کرتے ہیں۔ چرچ اس بات پر زور دیتا ہے کہ موت کے قدرتی عمل میں انسان کو دخل اندازی نہیں کرنی چاہیے۔ رومن کیتھولک کی تعلیمات کے مطابق کسی کو ہمدردی کے جذبہ سے بھی مارنا قانون خداوندی کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہے۔ (۱۷) چرچ کے مطابق قتل بہ جذبۂ رحم اخلاقی اعتبار سے بھی غلط ہے۔ چرچ کہتا ہے کہ مذہب کسی بھی حالت میں کسی انسان کی جان لینے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ چاہے وہ رحم مادر میں انڈے کی شکل میں ہو یا جنین کی شکل میں۔ چاہے وہ بچہ ہو یا جوان۔ بوڑھا ہو یا کوئی لاعلاج جو کسی سخت بیماری سے جوجھ رہا ہو یا پھر وہ موت کے دہانے پر ہو۔ پوپ جان پول ثانی نے رحم دلانہ قتل کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ آج کے سماج میں اس پر جو لوگ عمل کرتے ہیں وہ دراصل اپنی شان دار تہذیبی روایات کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ انسان کو ہمیشہ زندگی سے موت تک کا سفر فطری طریقے سے ہی کرنا چاہیے۔ جب کہ پروٹسٹنٹ فرقے کے کچھ

لوگ بعض شکلوں میں اس کی وکالت کرتے ہیں۔ تاہم ان کا بھی عمومی نظریہ یہی ہے کہ اس طرح کے عمل سے گریز کرنا چاہئے۔(۱۸)

قتل بہ جذبۂ رَحم کی مختصر تاریخ:

۴۰۰ قبل مسیح میں اگر چہ بابائے ادویہ بقراط نے اپنے حلفیہ بیان میں کہا تھا کہ: 'میں کسی کو خودکشی کرنے کے لئے مہلک دوا تجویز نہیں کروں گا اور نہ کسی کو ایسا کرنے کا مشورہ دوں گا۔' یہ اطبا کے لئے رہنما اصول ہے جو اخلاقی تعلیم کا مظہر ہے۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے قتل بہ جذبۂ رَحم کی سرے سے مخالفت کی تھی۔ تاہم زمانہ قدیم میں اہل یونان وروم کے دل ودماغ میں یہ بات بہ درجہ اتم موجود تھی کہ ایک ایسے معذور ومفلوج آدمی کی زندگی کی حفاظت کی کوئی ضرورت نہیں ہے جسے زندہ رہنے کی کوئی خواہش نہ ہو یا جس نے اپنی زندگی کو بوجھ سمجھ لیا ہو۔ مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں غیر رضا کارانہ قتل بہ جذبۂ رَحم کو عمل میں لایا جاتا تھا اور اس تہذیب میں یہ کوئی مجرمانہ عمل نہیں سمجھا جاتا تھا۔

۱۳۰۰ء کے انگریزی عدلیہ کے مطابق خودکشی اور اس میں تعاون کرنے کو یکساں طور پر مجرمانہ عمل قرار دیا گیا تھا۔ تاہم عیسائیت کے عہد عروج (۱۲۰۰-۱۵۰۰ء) میں قتل بہ جذبۂ رَحم کو مطلق حمایت حاصل نہ تھی۔ اس کے خلاف سب سے پہلا قانون ۱۸۲۸ء میں امریکہ کے ایک شہر نیویارک میں منظور کیا گیا۔

۱۸۷۰ء کا سال Euthanasia کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی سال Samuel Williams نے افیون (Morphine) اور شدید درد کو ختم کرنے والی ایک خاص دوا (Analgesic) کے استعمال کا مشورہ دیا تھا۔ تاکہ بہ عجلت تمام اور بغیر کسی مزاحمت کے معذور اور سخت بیماری میں مبتلا شخص کی موت واقع ہوجائے۔ اس بنا پر امریکہ میں دوبارہ رحم دلانہ قتل کا مسئلہ ابھر کر سامنے آیا اور موضوع بحث بنا۔ جان بوجھ کر کسی مریض کی زندگی کو ختم کرنے کے لئے مذکورہ دوائیں Euthanasia کی تاریخ میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہیں۔

۱۸۸۵ء میں یعنی Samuel Williams کی ابتدائی کوشش کے پندرہ سال بعد ایک امریکن طبی تنظیم (American Medical Association) نے بڑی شد و مد کے ساتھ Euthanasia میں تعاون اور تکلیف کو زائل کرنے والی تیز ادویہ کی مخالفت کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بیسویں صدی کے شروع سے ہی قتل بہ جذبۂ تَرحُّم اور خودکشی میں معاونت کا موضوع عوام کے ذہنوں میں گھر کر چکا تھا۔ امریکہ کے ایک شہر 'اوہیو' میں ۱۹۰۵ء میں ایک مسودہ قانون اس کے جواز کے لئے تیار کیا گیا، مگر وہ ناکام ہوا۔ اس کے دوسرے سال بعد پھر ایسا ہی کیا گیا۔ اس بار بھی اسے کامیابی نہیں ملی۔

۱۹۲۰ء میں دو ماہرین تعلیم کی مشترکہ کوشش سے ایک کتاب Permitting the Destructio of Life not Worthly of Life کے نام سے شائع ہوئی۔ ان میں سے ایک مصنف Alfred Hoche جو ایم ڈی اور یونیورسٹی آف فرائیبرگ میں Psychiatry کے پروفیسر کے عہدہ پر فائز تھے اور دوسرے Karl Binding قانون کے پروفیسر جو یونیورسٹی آف لیپزگ سے وابستہ تھے۔ اس کتاب میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ جو کوئی مریض اپنی فطری موت سے قبل مرنا چاہتا ہے، اسے ماہر اطبا کے صلاح ومشورہ کے بعد محتاط طریقے سے مار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس کتاب کی اشاعت سے قتل بہ جذبۂ تُرحُّم کے نظریہ کو بڑی تقویت ملی۔

۱۹۴۰ء میں پہلی مرتبہ غیر رضا کارانہ Euthanasia کو جرمن اطبا کے ذریعہ ایک خاص پروگرام کے تحت بروئے کار لایا گیا، ان معذور اور اپاہج لوگوں کے لئے جو بند گیس چیمبر کے شکار ہوئے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ معذور واپاہج اور نفسیاتی بیماری کے شکار لوگوں سے ملک کو پاک وصاف کردیا جائے۔ اس پروگرام کو ایک خاص نام "Aktion T 4" دیا گیا۔ اس کے مطابق جو زندگی جینے کے لائق نہ ہو اسے ختم کر دینا ہی بہتر ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۹۴۵ء میں تین لاکھ جرمنیوں کو اس پروگرام کے تحت موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اسی طرح جرمن نازیوں نے اسی گیس چیمبر کا استعمال کیا تھا گرفتار کئے گئے روسی، جرمن خانہ بدوش اور یہودیوں کو نیست ونابود کرنے کے لئے۔

بیسویں صدی عیسوی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس عہد میں کئی ایسی تنظیمیں وجود میں آئیں جنہوں نے رحم دلانہ قتل سے متعلق مسائل کو عوام کے سامنے آشکارا کیا۔ سب سے پہلے ۱۹۳۵ء میں لندن کے اطبا کے ایک گروپ نے اس کے لئے قانونی جواز حاصل کرنے کی پہل کی اور اس کے لئے ایک تنظیم بنائی جو Voluntry Euthanasia Legislation Socity کے نام سے جانی جاتی تھی۔ ٹھیک اس کے دو سال بعد ۱۹۳۸ء میں ایک دوسری تنظیم National Society for the Legalization of Euthanasia کے نام سے وجود میں آئی۔ یہ بھی قتل بہ جذبۂ رحم کو جائز قرار دیئے جانے کے حق میں تھی۔

۱۹۸۰ء میں ایک بین الاقوامی تنظیم World Fedration of Right to Die Society کے نام سے قائم ہوئی۔ یہ رضا کارانہ Euthanasia کی طرف داری وحمایت میں تھی۔ اسی سال امریکہ کے شہر لاس اینجلس میں Hemlock Society قائم ہوئی Derek Humphry کے ذریعہ۔ ایک اندازے کے مطابق باضابطہ طریقے سے ساٹھ ہزار سے زائد لوگ اس تنظیم کی ممبرشپ حاصل کرچکے ہیں۔

اس وقت تک اطبا کے ذریعہ خودکشی میں تعاون کرنے کے کئی واقعات عدالت میں پائے گئے

تھے۔۱۹۳۵ء میں Harold Blazer گرفتار کئے گئے اس جرم میں کہ انہوں نے اپنی لڑکی کو Euthanasia کے ذریعہ ماردیا تھا، کیوں کہ وہ Cerebral Spinal Meningitis کے عارضہ میں پچھلے ۳۰ سالوں سے مبتلا تھی۔اگرچہ معاملہ کی تفتیش کے بعد اسے اس جرم سے بری کردیا گیا۔۱۹۸۶ء میں ایک ڈاکٹر Joseph Hassman پر یہ فرد جرم عائد کیا گیا کہ انہوں نے اپنی ساس کی زندگی ختم کرنے کے لئے مہلک دوا کا بندوبست کیا تھا۔قانون کے مطابق اس کے لئے دوسال کی سزا متعین کی گئی تھی۔

۱۹۹۹ء میں قتل بہ جذبۂ رَحم ایک عام موضوع بحث بن گیااور اس کے مثبت ومنفی پہلوؤں پر بڑی شدومد سے غوروفکر کیا جانے لگا،ایک ڈاکٹر (Dr. Jack Kevorkian) کے قید کئے جانے کے بعد۔کیوں کہ اس نے رضا کارانہ Euthanasia کے ذریعہ ایک ۵۲ سالہ Thomas Youk کوقبل از وقت ماردیا تھا جوکسی مہلک بیماری میں مبتلا تھا۔یہ دوسرے درجہ کے قتل میں بھی متہم تھا۔اس لئے اس پر ۱۹۹۹ سے ۲۰۰۷ء تک ۸ سال کی قید کی سزا نافذ کی گئی۔یہ گمان کیا جاتا ہے کہ اس نے ۱۳۰ مریضوں کو Euthanasia کے ذریعہ موت کی آغوش میں پہنچا دیا تھااوراس عمل کوانجام دینے کے لئے اس نے زہریلا انجکسن استعمال کیا تھا۔

قتل بہ جذبۂ رَحم اورخودکشی میں تعاون کے موضوع پرآج بھی بحث ومباحثہ کا سلسلہ جاری ہےاورامید کی جاتی ہے کہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔اس کے ہردو پہلو ہیں۔لیکن یہ اس بات پر منحصر ہے کہ اس عمل کوعوام کس نظر سے دیکھتے ہیں۔ایک اعدادشاری کے مطابق مغربی مما لک میں ۶۰ سے ۸۰ فیصد تک لوگ اس کی حمایت میں ہیں۔۱۹ ہمارے جائزے سے یہ بات پوری طرح واضح ہوجاتی ہے کہ مغربی مما لک میں قتل بہ جذبۂ تَرَحُّم کا نظریہ مثبت اورمنفی فکر کرساتھ بہ تدریج پروان چڑھتا رہا ہے۔دلیل یہ دی جاتی ہے کہ ایسا کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔معذور اور لاعلاج مریضوں کے حق میں یہ عمل تو ہمدردی پرمبنی ہے۔اسی جذبہ کے تحت برطانوی شہنشاہ جارج پنجم کوبھی جنوری ۱۹۳۶ء میں مہلک دوائیں دے کرموت کی آغوش میں پہنچا دیا گیا تھا۔(۲۰)

قتل بہ جذبۂ رَحم کے فروغ میں Derek Humphry کا کارنامہ

لیکن اس نظریہ کو Derek Humphry کے ذریعہ بہت زیادہ تقویت ملی۔یہ امریکہ کا ایک مشہورومعروف صحافی اورکئی کتابوں کا مصنف ہے۔اس کی پہلی شادی Jean Humphry سے ہوئی۔جو بعد میں بریسٹ کینسر کے مرض میں مبتلا ہوگئی۔مرض بھیانک صورت اختیار کر چکا تھا اور زہر پورے جسم میں پھیل گیا تھا، جسے ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دے دیا تھا۔بیماری اور تکلیف کی شدت کی وجہ سے وہ ہروقت تڑپتی اور بلکتی رہتی تھی۔جب تکلیف اپنی حدوں کو پار کرگئی اوراسے برداشت کرنے کی طاقت نہ رہی تواپنی مرضی سے ایک معاہدہ کے تحت ۲۹/مارچ ۱۹۷۵ء

میں اس نے اپنی جان مناسب تدبیر (An intentional overdose of medication) کے ذریعہ ختم کرلی۔اس طرح وہ ہمیشہ کے لئے اس پریشانی سے نجات پا گئی۔اس حادثہ کا Derek Humphry پر خاصا اثر ہوا۔اسی وقت سے وہ قتل بہ جذبۂ رحم کی وکالت کرنے لگا۔اس کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد اس نے Ann Wickett سے دوسری شادی کرلی۔پھر دونوں میاں بیوی نے جگہ جگہ پہنچ کر اس کی تشہیر کی اور اس کے لئے ماحول کو سازگار بنایا۔یہ بھی کچھ دنوں کے بعد کینسر کے عارضہ کا شکار ہوکر مرگئی۔اس موضوع پر 'ہمفری' نے کئی کتابیں لکھیں۔ان میں چند کے نام یہ ہیں:

- Jen's Way: A Love Story
- Let me Die Befor I wake
- The Right to Die: Understanding Euthanasia
- The Good Euthanasia Guide
- Freedom to Die: People, Politics & The Right-To-Die Movment
- Good Life, Good Death
- Final Exit
- Lawful Exit(21)

یہ کتابیں خاص طور پر امریکہ میں خوب پڑھی گئیں۔اس سے عوام میں اس کی مقبولیت بڑھ گئی۔ان کتابوں کی آمدنی سے اس نے Hemlock Sosiety بھی قائم کی۔یہاں لاعلاج اور ضعیف العمر مریضوں کے لئے Euthanasia پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے اور اس پر عمل کرنے کے طریقے بتائے جاتے ہیں۔اس سے اس کا مدعا یہ ہے کہ جو لوگ لاعلاج بیماری کی وجہ سے اسپتالوں میں موت وحیات کی کش مکش میں مبتلا ہیں اور جو برائے نام زندہ ہیں وہ اس کے ذریعہ اپنی جان ختم کرکے شدید تکلیف سے ہمیشہ ہمیش کے لئے نجات پاجائیں۔Derek Humphry نے جو سوسائٹی قائم کی اس کے ممبر زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو پچاس برس کی عمر کو پار کر چکے ہیں اور ان میں بھی زیادہ تر وہ عورتیں ہیں جو اپنے قریبی رشتہ دار مریض کو دیکھ کر متاثر ہوئی ہیں۔اسی کے زیر اثر یورپی ممالک میں ۳۰؍سوسائٹیاں قائم ہوئیں جن میں تین امریکہ میں ہیں۔ان میں دوتہائی تعداد Active Euthanasia پر یقین رکھتی ہے۔(۲۲)

Derek Humphry نے Passive Euthanasia کی وکالت وحمایت کی ہے۔یعنی یہ کہ تکلیف دہ بیماری کی

تکلیف کم کرنے کے لئے اور اس کی سانس کو برقرار رکھنے کے لئے جو ادویہ یا آلات استعمال کئے جاتے ہیں انہیں روک لیا جائے اور اس کا علاج بند کر دیا جائے تا کہ مریض سکون سے دنیا سے رخصت ہو جائے۔(۲۳)

مغربی ممالک میں قتل بہ جذبۂ رحم: صورت حال کا جائزہ

خاص طور پر یورپین ممالک میں قتل بہ جذبۂ رحم کو مقبول عام بنانے کے لئے مسلسل جدو جہد کی گئی ہے اور اس کے لئے قانونی جواز حاصل کرنے کے لئے ماحول بنایا گیا ہے۔ غیر سرکاری تنظیمیں، طبی عملہ اور وکلا کی جماعتوں نے جگہ جگہ اور وقفے وقفے سے کانفرنسوں، جلسہ وجلوس اور مباحثوں کا بازا گرام کیا۔ تب جا کر بیسویں صدی عیسویں کے اواخر میں اسے کامیابی ملی اور بعض ممالک میں اسے سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی۔ رضا کارانہ Ethunasia کو اس وقت صرف تین مغربی ممالک نیدر لینڈ، بلجیم، لکزمبرگ میں قانونی جواز حاصل ہے۔ موت میں تعاون کرنا(Assisted Suicide) سوئز رلینڈ، امریکہ کے واشنگٹن، اوریگون اور مونتانا میں کوئی جرم نہیں ہے۔

اس عمل کو جائز کئے جانے کا اثر یہ ہوا کہ ایک جائزے کے مطابق' ہالینڈ' کے اندر صرف ایک سال میں دس ہزار لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔(۲۴)

ہندوستان میں قتل بہ جذبۂ رحم کی صورت حال

مغربی ممالک کے زیر اثر ہندوستان میں بھی بیسویں صدی کے اواخر سے قتل بہ جذبۂ رحم کے موضوع پر گرما گرم بحث ہونے لگی اور 'ایم آر مسانی' جیسے لوگ اس کی حمایت میں کود پڑے۔ ان کا کہنا تھا کہ جو لوگ اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، وہ دراصل اس کی افادیت سے بے خبر ہیں۔ مریض کی تکلیف کا اندازہ کون نہیں کرتا ہے۔ جب کوئی شدید تکلیف میں مبتلا ہوتا اور اس کی حالت نازک ہوتی ہے تو ہر کوئی یہی کہتا اور چاہتا ہے خدا اسے موت دے دے، یا پھر یہ کہتا ہے کہ اسے موت کیوں نہیں آجاتی۔ اس سے یہ بات سے واضح ہوتی ہے کہ ہر انسان کے اندر قتل بہ جذبۂ رحم کا نظریہ مخفی ہے۔ لہٰذا مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر اس کا کوئی حل نکالا جانا چاہئے۔(۲۵) چنانچہ ان کی صدارت میں Society for right to die with dignity قائم ہوئی۔ ایسے ہی لوگوں کے زیر اثر مہاراشٹر اسمبلی میں ۱۹۸۵ء میں Passive Euthanasia کی حمایت میں ایک غیر سرکاری مسودہ قانون پیش کیا گیا اور اسے رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے گشت کرایا گیا۔ اسی سال B. V. Patil نے بھی لوک سبھا میں اس کی حمایت میں آوازیں بلند کیں۔ مگر دونوں جگہوں پر اسے یہ کہہ کر مسترد کر دیا گیا کہ ملک کا آئین یہاں کے ہر شہری کے زندہ رہنے کے حق کو تسلیم کرتا ہے اور اس کے تحفظ کی ضمانت لیتا ہے:

"Under Indian Constitution every citizen has been given a constitutional guarantee to live." (26)

مولانا جلال الدین عمری لکھتے ہیں:

''Passive Euthanasia کی تائید میں مہاراشٹر اسمبلی میں ۱۹۸۵ء میں پروفیسر S.S.Varde نے ایک غیر سرکاری مسودہ قانون پیش کیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ جو مریض ڈاکٹروں کی رائے میں کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ اس کا بچنا ممکن نہ ہو، اسے کوئی ایسی جراحت پہنچی ہو اور وہ بحالت ہوش اپنی آزاد مرضی سے اس خواہش کا اظہار کرے کہ دواؤں کی مدد سے اس کا عرصہ حیات طویل نہ کیا جائے تو اس کے معالجوں کو اختیار ہوگا کہ وہ ایسی دوائیں دینا بند کردیں جو اس کے جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھ سکتی ہیں، تاکہ وہ جلد اس تکلیف سے نجات پا سکے۔ اس صورت میں اس کے معالجین پر کوئی دیوانی یا فوج داری ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔ اس مسودہ قانون میں اس کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص چاہے تو بحالت صحت اپنی اس خواہش کو قلم بند کردے کہ آئندہ کبھی وہ اس نازک صورت حال سے دوچار ہو تو اس کے ساتھ یہ عمل کیا جائے''۔(۲۷)

اس طرح کا نظریہ سامنے آیا تو اس کا قانونی جواز حاصل کرنے کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ لیکن نہ تو عدالت نے اور نہ ہی قانون ساز اسمبلی نے اب تک اس کی اجازت دی ہے۔ بطور مثال یہاں پر صرف دو واقعات کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے:

اگست ۲۰۰۹ء کے راشٹریہ سہارا اردو (دہلی ایڈیشن) میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ اتر پردیش کے ایک علاقہ میں ایک ہی کنبہ کے چار بچے کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہیں اور علاج بسیار کے باوجود وہ شفایاب نہیں ہو رہے ہیں اور دن بہ دن ان کی حالت غیر ہوتی جارہی ہے۔ چنانچہ ان کے والدین نے بچوں کی اس تشویش ناک حالت کو دیکھ کر اور اپنی مالی مجبوری کے پیش نظر صدر جمہوریہ ہند سے درخواست کی کہ ان کو مناسب اور مہذب طریقے سے قبل از وقت موت کی آغوش میں پہنچانے کی اجازت دی جائے۔ صدر کی طرف سے اسے مسترد کردیا گیا۔

دوسرا واقعہ 'ارونا سنبوگ' کا ہے۔ یہ KEM ہسپتال ممبئی میں نرس کی حیثیت سے کام کرتی تھی۔ ۲۷/نومبر ۱۹۷۳ء میں وہاں کے ایک سوئیپر 'سوہن لال' نے زبردستی وحشیانہ طریقے سے اس کی عصمت کو تار تار کیا، جس کا صدمہ وہ برداشت نہ کرسکی۔ اسی وقت سے وہ مسلسل بے ہوشی میں مبتلا ہے۔ اس کی دیکھ بھال ایک سماجی کارکن 'پنکی ویرانی' کر رہی ہے، جو اس کی دوست ہے۔ اس

کی اس نازک حالت کو دیکھ کر پنکی نے اس کو Euthanasia کے ذریعہ موت کے آغوش میں پہنچانے کی عرضی عدالت عظمی میں دائر کی۔ عدالت نے مارچ ۲۰۱۱ء میں اس کے لئے ایسا کرنے پر روک لگادی۔

البتہ قتل بہ جذبۂ رَحم کی دوسری قسم Passive Euthanasia کو سپریم کورٹ کے فیصلہ مارچ ۲۰۱۱ کے مطابق قانونی جواز حاصل ہے۔ بایں طور کہ لا علاج مریض سے جینے کے وسائل یعنی دوا وعلاج بہ شکل مجبوری سلب کئے جاسکتے ہیں۔ Active Euthanasia کی ساری شکلیں یہاں ممنوع ہیں۔ ڈاکٹر یا عام آدمی کے لئے موت میں تعاون کرنا یا اس کے لئے مشورہ دینا یہاں بھی قانونا جرم ہے۔(۲۸)

ہندوستان میں قتل بہ جذبۂ رَحم کے عام ہونے میں اب تک کامیابی اس وجہ سے بھی نہیں مل رہی ہے کہ یہاں کی آبادی کا بڑا حصہ بلکہ اکثریت غربت کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ اگر یہ لوگ کبھی اور کسی وقت اس طرح کی لا علاج اور پریشان کن بیماری سے دوچار ہوں گے تو یہ مہنگے علاج کے متحمل نہ ہونے کی وجہ سے بہ آسانی Euthanasia پر عمل کر کے اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیں گے۔ یا ان کے قریبی رشتہ دار انہیں ایسا کرنے پر اکسائیں گے یا انہیں مجبور کریں گے۔ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اگر اس کی اجازت صرف ایک سال کے لئے دے دی جائے تو بہت سے لوگ موت کی آغوش میں چلے جائیں گے۔ جس سے ملک کی آبادی گھٹ کر نصف ہوجائے گی۔ جب کہ عوام اور مختلف غیر سرکاری تنظیموں کی طرف سے کوششیں تو بہت کی جارہی ہیں کہ دوسرے ممالک کی طرح یہاں بھی قتل بہ جذبۂ ترحُم کی تمام قسموں کو قانونی طور پر جائز کردیا جائے۔(۲۹)

اس عمل کو بروئے کار لانے میں حرج ہی کیا ہے؟

مذکورہ تفصیلات کی روشنی میں اگر عام طرز فکر کے مطابق غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قتل بہ جذبۂ رَحم کے عمل کو بروئے کار لانے میں لاعلاج اور شدید تکلیف میں مبتلا مریضوں کے ساتھ انتہائی ہمدردی کا پہلو مضمر ہے۔ سماج میں ہر شخص ایک دوسرے سے محبت کرتا ہے، اس کے دکھ درد میں کام آتا ہے، اچھے برے دنوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کا معاملہ کرتا ہے۔ ایسی صورت میں لاعلاج مریضوں کو وہ تڑپتا ہوا کیسے دیکھ سکتا ہے، تو پھر کیوں نہ بہ جذبۂ ہمدردی موت کی نیند سلادیا جائے، تاکہ نہ مریض زیادہ تکلیف اور پریشانیوں سے دوچار ہو اور نہ اس کے متعلقین کو مزید پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے۔

کیا اسلام اس عمل کو اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے؟

لیکن اسلامی پہلو سے اس ہمدردی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اگر اسلام میں اس کی اجازت ہوتی

تو پھر وہ خودکشی جیسے اقدام کو ناجائز اور حرام نہ ٹھہراتا۔قتل بہ جذبۂ رحم پر عمل کرنے سے جن مفاسد سے بالخصوص مسلم معاشرہ دوچار ہوگا، وہ خودکشی جیسے اقدام سے کسی طرح کم نہ ہوگا۔ اس صورت میں مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی اجازت ہوگی یا نہیں یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ کیوں کہ الٰہی شریعت کا کردار ایک شفیق طبیب کی طرح ہے جو مریض کی حالت، عادت، مریض کی قوت اور ضعف کے تقاضے کے مطابق مرض کی اصلاح پر آمادہ کرتا ہے، یہاں تک کہ جب مریض کی صحت مستقل ہوجاتی ہے تو اس کے لئے ایک معتدل لائحہ عمل تجویز کردیتا ہے جو اس کی تمام حالتوں کے مناسب ہوتا ہے۔(۳۰)

اس سلسلے میں اسلام کا موقف کیا ہے؟ اسے جاننے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ہم اس مسئلہ پر غور کریں کہ اسلام میں انسان کی جان کی کیا قدر و قیمت ہے اور کسی کو اپنی جان کے ختم کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ جب کوئی آدمی بیمار پڑتا ہے تو اس بارے میں مریض، اس کے رشتہ دار اور ڈاکٹروں کا اخلاقی فریضہ کیا بنتا ہے۔ اس کے بعد بہ آسانی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام 'قتل بہ جذبۂ رحم' کی اجازت دیتا ہے کہ نہیں؟ چوں کہ یہ بحث تفصیل طلب ہے، جس کا احصا اس مضمون میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ لہٰذا ہم یہاں پر اشارۃً شریعت اسلامی کے موقف کی وضاحت پر ہی اکتفا کریں گے۔ تفصیلی مطالعہ کے لئے حوالے میں مذکور دو کتابوں کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیں گے۔(۳۱)

شریعت اسلامی کی نظر میں قتل بہ جذبۂ رحم (Mercy Killing /Euthanasia) ایک بزدلانہ عمل ہے۔ اس سے شرف انسانیت کی توہین و تذلیل ہوتی ہے اور انسانیت بے وقعت ہوکر رہ جاتی ہے۔ انسان جب دنیا میں وارد ہوا ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ جب تک اس کے لئے یہاں کی زندگی مقدر ہے، اسے راضی بہ رضا گزارے اور دوسرے لوگ بھی اس کی زندگی میں کسی طرح کا کوئی خلل نہ ڈالیں۔ یہی نظریہ حقوق انسانیت کا دم بھرنے والوں اور اس کے علم برداروں کا بھی ہے۔

جس طرح کسی آدمی کی حالت ہر وقت اور ہر زمانے میں یکساں نہیں رہتی، اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کوئی آدمی ہمیشہ بیماری میں ہی مبتلا رہے۔ اگر بالفرض کسی کے ساتھ یہ عارضہ لاحق ہوگیا ہے تو یہ اس کا مقدر ہے جس کو اس وجہ سے ختم نہیں جاسکتا کہ ہمیشہ سے بیمار ہے اور آئندہ وہ کسی کام کاج کے لائق نہیں رہے گا۔ ہر فرد بشر کا یہ اعتقاد اور ایمان ہونا چاہیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس آزمائش میں مبتلا کرکے اس سے کوئی بہتر کام لینا چاہتا ہے یا اس کو کسی بڑے اجر سے نوازنے کے لئے اس کے ساتھ یہ عارضہ لاحق کردیا ہے۔ مومن کا یہ وتیرہ ہونا چاہیے کہ وہ ہر وقت اس بات کو ذہن میں رکھے کہ دنیا میں اس کے ساتھ جو کچھ ہوتا ہے، وہ سب مرضی مولیٰ کے تحت ہی

ہوتا ہے۔اگر خوشی ومسرت کا موقع میسر آتا ہے تو اس وقت اسے شکر کرنا چاہیے اور اگر اس کے برعکس کچھ ہوتا ہے تو اس اسے صبر کرنا چاہیے اور اللہ پر بھروسا کر کے اس سے نجات پانے کی تدبیر بھی کرتے رہنا چاہیے۔حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے:

''ایمان کے دو حصے ہیں: آدھا صبر میں اور بقیہ آدھا شکر میں۔''

جذبۂ ترحم کی نیت سے کسی نا قابل برداشت تکلیف اور لا علاج ومہلک بیماری میں مبتلا شخص کو قبل از وقت منفی طریقے سے اس لئے ماردیا جائے کہ اس کی زندگی بے سود ہے اور آئندہ بھی وہ کسی کام کاج کے لائق نہیں رہے گا،کیامبنی برانصاف ہوسکتا ہے؟ فرض کیجئے کہ ایک باپ کی کئی اولادیں ہیں۔وہ اپنی کسی اولاد کو کسی پریشانی کے وقت فراموش نہیں کرتا۔خود کو بھوکا رکھ کر اس کی راحت رسانی کا ہر ممکن انتظام کرتا ہے۔اس کی تکلیف اس کی بے چینی کا سبب بن جاتی ہے۔اس کی راتوں کی نیند حرام ہوجاتی ہے۔بڑے جتن کے بعد اسے پال پوس کر اس لائق بناتا ہے کہ اب وہ شادی بیاہ کے لائق ہوگیا۔لیکن اب وہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ وہ زندگی کی تگ ودو میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے سکے۔یہاں تک کہ وہ کسی ایسی بیماری میں مبتلا ہوگیا ہے جو پریشان کن اور لا علاج ہے۔تو کیا ایسے وقت میں انصاف پسند اور حمیت سے بھرا دل کبھی اس بات کو گوارا کرسکتا ہے کہ اپنے محسن باپ کو اس لئے ماردے کہ وہ اب کسی لائق نہیں رہ گیا ہے۔ایسا دراصل وہی سوچ رکھتے اور سوچتے ہیں جن کے لئے دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے اور جو مادیت کے اسیر بن کر رہ گئے ہیں۔چوں کہ مغربی ممالک میں انسان کی کسی حد تک قدر وقیمت اسی وقت تک ہے جب تک وہ کسی کام کے لائق ہے۔'اولڈ ایج ہوم' کا تصور اسی فکر کی ترجمانی کرتا ہے۔کیا مذہب کی فکر رکھنے والا مہذب اور شریف سماج اور معاشرہ اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوسکتا ہے کہ اپنے بوڑھے ماں باپ کو کسی دوسرے کے رحم وکرم پر چھوڑ دے۔یہ دراصل مادہ پرستوں کی ایک منصوبہ بند پالیسی ہے کہ انسان اور اس کی زندگی کو بے وقت بنا کر رکھ دیا جائے اور اسے آزادی وہمدردی کا نام دیا جائے۔اس تناظر پر وفیسر ابوالکلام قاسمی لکھتے ہیں:

''جیسا کہ ہم میں سے ہر شخص اس بات سے واقف ہے کہ مادیت کے فروغ اور خود مرکزی اندازِ فکر کے فروغ کے ساتھ بزرگوں یا طویل علالت یا پھر نا قابلِ علاج بیماری کی اذیت میں مبتلا افراد بالخصوص ضعیف العمر حضرات کی تیمارداری اور خدمت سے پوری طرح نجات حاصل کرنے کی خاطر قتل ترحّم کا مسئلہ مغربی معاشرے کی طرح اب ہمارے معاشرے کو بھی درپیش ہے۔حقیقت یہ ہے کہ Euthanasia کا تصور بھی بہ ظاہر ہمارے جیسے معاشرے میں ممکن نہیں تھا جس میں انسانی اور اخلاقی اقدار کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔رحم کے جذبے، کے الفاظ دراصل شوگر کوٹیڈ گولی کی مثال ہیں۔ہم نے اپنے بھلاوے کی خاطر اس طرح کے نمائشی الفاظ اپنی بعض مذموم حرکات وسکنات

کے لیے مزاحمتی انداز میں استعمال کرنا شروع کر دیے ہیں۔ انسان چوں کہ اپنے ہر عمل کا کوئی نہ کوئی جواز فراہم کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ اس لیے اس کے پاس مناسب اور نامناسب ہر طرح کے اعمال کی کوئی نہ کوئی منطق ضرور ہوتی ہے۔ قتل کے ساتھ ترحّم کی متضاد صفت اپنے آپ میں ایک متناقض صورتِ حال کو پیش کرتی ہے، مگر اس قسم کے عمل کا جواز یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ہم دراصل کسی انسان کی موت اور وہ بھی مارے جانے یا قتل کیے جانے کو بہرنوع مذموم تصور کرتے ہیں۔ مگر کبھی کبھی انسان اپنے اعزا و اقارب کی اذیت ناک حالت اور لگاتار تکالیف اٹھاتے رہنے کو جذباتی طور پر پورے خاندان کے لیے بے حد تکلیف دہ محسوس کرتا ہے۔ اس لیے ترحّم اور ہمدردی کا اظہار اس کی نظر میں کچھ یوں بھی ہوسکتا ہے کہ ایسی اذیت ناک بیماری یا کس مپرسی سے مریض کو نجات دلا دی جائے، خواہ اس کے لیے اسے موت کی نیند ہی کیوں نہ سلانی پڑے۔'' (۳۲)

یہاں اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے کہ اطبا اور مریض کے رشتہ کی بنیاد بڑی حد تک اعتقادی ہے۔ لیکن بعض اطبا کے غیر دانش مندانہ اقدام کی وجہ سے یہ مقدس پیشہ بھی مشکوک ہوتا جارہا ہے۔ تجربات گواہ ہیں کہ جس ڈاکٹر سے مریض مطمئن نہیں ہوتا، اس کی بہترین تشخیص اور تجویز کردہ عمدہ دوائیں اس کو شفایاب نہیں کرسکتیں۔ اس لئے اطبا کی ذمہ داری اور ان کا اخلاقی فریضہ ہونا چاہیے کہ وہ ممکنہ حد تک مریض کو تندرست رکھنے اور اس کی بیماری کے ازالہ کی کوشش کریں۔ اگر بالفرض ان کے تجربات اور مریض کی صورت حال سے واضح ہوجاتا ہے کہ مریض کی صحت یابی کی مطلق امید نہیں کی جاسکتی ہے تو وہ اس بات کا اظہار کرسکتے ہیں، مگر یہ بات دین ومذہب اور اخلاقیات کے منافی ہے کہ وہ اس کے مارنے کی تدبیر کریں اور اس کے طریقے بتائیں۔ چاہے مریض اور اس کے رشتہ داروں کی اجازت شامل ہو یا نہ ہو۔ یہ بات کتنی تکلیف دہ ہے کہ مہلک بیماری میں مبتلا مرض کو زندہ رکھنے کی کوشش کرنے کی بجائے آسانی سے معالج یہ فیصلہ کردے کہ اس کو موت کے آغوش میں پہنچا دیا جائے۔ اگر مرض کی بھیانک شکلیں زمانہ کے تغیر کے ساتھ بدلتی رہی ہیں تو اسی کے ساتھ تحقیق و تجربات کے میدان میں بھی بڑی کشادگی ہوئی ہے۔ روزمرہ کے نت نئے انکشافات اور ٹکنالوجی کا فروغ نے ان بیماریوں کی تشخیص اور مرض کو زائل کرنے میں بڑی تقویت پہنچا رہے ہیں۔ مندرجہ ذیل واقعہ سے اس حقیقت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

کچھ عرصہ قبل امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسروں نے ایک مادہ انجیوجنین (Angiogenin) کے دریافت کا دعویٰ کیا ہے، جس کے ذریعہ ناکارہ عضو کو اندرون جسم ہی ٹھیک کیا جانا ممکن ہوسکے گا اور اپریشن کے ذریعہ اسے نکال کر پھینکنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ اسی طرح وہ عورتیں جن کی بچہ دانیاں آپریشن کے ذریعہ نکال دی گئی ہوں، ان میں بھی استقرارِ حمل ممکن ہوسکے گا۔'' (۳۳)

بالفرض ماہر اطبا نے واضح کردیا ہے کہ زیر علاج مریض نہیں بچے گا تو لاچار و مجبور مریض مہنگا علاج بند کروانے کے مجاز تو ہو سکتے ہیں مگر منفی طریقے سے خود کو ختم کرنے یا کروانے کا اختیار انہیں ہرگز حاصل نہیں ہوگا۔ اطبا کے لئے یہ بات بھی نادرست ہے کہ چیلنجیز کا مقابلہ کئے بغیر ہمت ہار دیں اور قبل از وقت مریض کی زندگی کو ختم کردیں۔ چوں کہ اس سارے قضیہ میں اطبا کا اہم رول ہوتا ہے، اس لئے ان کی ذمہ داریاں بھی بہت بڑھ جاتی ہیں اور اگر وہ اپنے پیشے سے مکمل انصاف کرتے ہیں تو ان کا مقام و مرتبہ بھی بہت بلند ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کے لئے ضروری ہے کہ مریض کے بارے میں کسی قسم کا فیصلہ کرتے وقت از حد محتاط ہونا اور حق و انصاف کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ تبھی جا کر اس مقدس پیشے کا حق ادا ہو سکے گا۔

قتل بہ جذبۂ رحم یا رحم دلانہ قتل کی جو بھی قسم ہو اور اس کو بروئے کار لانے کا جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے، وہ ایک مجرمانہ عمل ہوگا اور جن لوگوں کی اس میں شمولیت یا رضامندی ہوگی وہ سب شریعت اسلامی کی نظر میں گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوں گے۔ خواہ کہ کسی بھی ملک کا قانون اسے کسی بھی زاویے سے دیکھے۔ مملکت کے ارباب حل و عقد اور مقنّنہ کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ اس طرح کے قوانین کے نفاذ اور اس کی سرپرستی کرنے سے گریز کریں۔ یہ انسانیت اور اخلاقیات بھی کا تقاضا ہے۔ اخلاقیات ایک ایسا جوہر ہے جسے ہر مذہب و ملت میں استحسان کی نظر سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ کیوں کہ اسی سے اس کے اچھے اور برے ہونے کی تمیز ہوتی ہے۔ اب اگر مغربی ممالک میں اس غیر اخلاقی عمل کو فروغ دیئے جانے پر زور دیا جا رہا ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہاں تہذیبی قدروں کو بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے۔ جس کا مشاہدہ ہم آئے دن اور ہمہ وقت کرتے رہتے ہیں۔

اس لئے نہ تو مریض کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ شدید تکلیف سے بچنے کے لئے Active Euthanasia پر عمل کرکے اپنی جان کو ہلاک کرلے اور نہ ہی اس کے رشتہ داروں کو اس کا اختیار ہے کہ مریض کی تکلیف کو دیکھ کر یا پھر اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ڈاکٹروں کو یہ مشورہ دیں کہ اسے اس عمل سے گزار کر اسے موت کی منزل تک پہنچا دیا جائے اور نہ ہی ڈاکٹروں کو چاہئے کہ وہ مریض کو یا اس کے قریبی احباب کو اس عمل کے اختیار کرنے کا مشورہ دے۔

اسی طرح Passive Euthanasia کی مذکورہ تمام صورتیں ناجائز ہیں۔ کیوں کہ جان کی حفاظت کو شریعت اسلامی نے فرض اور بعض صورتوں میں دوا و علاج کو واجب قرار دیا ہے۔ ترک واجب بھی گناہ ہے۔ البتہ مصنوعی طریقہ علاج کو ترک کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ کیوں کہ یہ ایک طرح سے تکلف ہے۔ نیز جو مریض مہنگے علاج و معالجہ کا کسی بھی طرح متحمل نہیں ہے، تو وہ مجبور محض ہے۔ اس وقت یہ ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ

ایسے آدمی کی صحت یابی کی فکر کرے اور بحیثیت مسلم امت سب کا فریضہ بنتا ہے کہ اپنے لاچار و مجبور بھائی کو کسی بڑی پریشانی میں مبتلا دیکھیں تو اس کے ازالہ کی فکر کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے اس طرح ہے جیسے جسم کا کوئی عضو، کہ اگر جسم کے کسی حصہ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس تکلیف سے سارا جسم متاثر ہوتا ہے، آنکھوں کی نیند ختم ہو جاتی ہے اور جسم حرارت و بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' (۳۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے:

''جو شخص بھلائی کا ارادہ کرے تو چاہیے کہ وہ طلب کرے اپنے بھائی کے لئے بھلائی۔'' (۳۵)

رہا یہ مسئلہ کہ ایک آدمی پہلے سے ہی لا علاج اور مہلک بیماری سے جوجھ رہا ہے، بعد میں اس پر ایک دوسری بیماری لاحق ہو جاتی ہے، جو بہ ظاہر عارضی اور معمولی سی ہے۔ اس کا علاج بھی از حد ضروری ہے۔ جیسا کہ ہمارے جائزے سے واضح ہو گیا ہے کہ کبھی کبھی معمولی علاج مریض کی صحت کو تقویت پہنچانے اور اس کو تندرست بنانے کا باعث ہو جاتا ہے۔ یہ فعل بھی حرام ہوگا کہ اس کی اس اضافی بیماری کا علاج نہ کرایا جائے تا کہ اس کا منفی اثر اس کی پہلی والی مہلک بیماری پڑے اور آسانی سے اس کی موت ہو جائے:

خنجر پہ کوئی چھینٹ نہ دامن پہ کوئی داغ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

قتل بہ جذبۂ رَحم کے سلسلے میں علماءِ اسلام کا موقف:

قتل بہ جذبۂ رَحم کے سلسلے میں علماء اسلام کا اتفاق پایا جاتا ہے کہ یہ بہر صورت ناجائز اور حرام ہے۔ اسلام میں اس عمل کی کوئی گنجائش نہیں۔ کیوں کہ ایسا کرنے سے تکریم انسانیت کی تذلیل و تحقیر ہوتی ہے اور انسانوں کی قدر و قیمت گھٹ کر رہ جاتی ہے۔ درج ذیل سطور میں عصر حاضر کے چند ممتاز علماءِ اسلام و اہل علم کے آرا و افکار اور بعض فقہی اداروں کے ذریعہ لئے گئے فیصلوں کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

قتل بہ جذبۂ رَحم سے متعلق ایک سوال کے جواب میں 'فقہ کونسل، نورتھ امریکہ کے صدر ڈاکٹر مزمل صدیقی نے فرمایا:

''اسلام نے انسان کی زندگی کو محترم قرار دیا ہے۔ اس لئے زندگی کی حفاظت اور اس کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔ اسلام میں یہ جائز نہیں ہے کہ ایک آدمی کو کوئی دوسرا آدمی قتل کر دے، یا خود سے کوئی اپنی جان ختم کر لے۔ یعنی خودکشی کر لے۔ کسی کا قتل صرف اس صورت میں جائز ہے

کہ جب کوئی دشمن اس پر حملہ کرے تو اپنی جان اور ملک کی حفاظت کی خاطر اس کا قتل کیا جاسکتا ہے۔ نیز مملکت کا قانون بھی اس صورت میں کسی کو بطور سزا کے قتل کرسکتا ہے کہ جس نے منصوبہ بند طریقے سے کسی کا قتل کیا ہو یا کوئی دوسرا سخت جرم کیا ہو۔لیکن اسلام میں کسی شخص کو اس کی بیماری سے ہونے والی شدید تکلیف یا درد سے نجات دلانے کے لئے مار دینے کی مطلق اجازت نہیں ہے۔اطبا، مریض کے قریبی رشتہ داروں اور مملکت کا فریضہ ہے کہ وہ ایسے لاچار ومجبور مریض کا خیال کرے اور بیماری سے لاحق ہونے والی پریشانیوں کے ازالہ کی پوری کوشش کرے۔ تاہم اگر طبی ماہرین مریض کی نازک حالت کے پیش نظر یہ فیصلہ کریں کہ دوا و علاج کے باوجود اس کی صحت کی بحالی کی کوئی امید نہیں ہے تو اس صورت میں بہ شکل مجبوری شریعت اسلامی اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ اس کا مہنگا دوا وعلاج موقوف کر دیا جائے اور اگر مریض کی زندگی کو کسی طبی آلہ یا مشین کے ذریعہ برقرار رکھا گیا ہے تو اسے اس سے ہٹالیا جائے۔ تاکہ اس کی فطری طریقے سے موت واقع ہوجائے،تاہم حتی المقدور اس کا معمولی علاج جاری رہے۔اسلام کسی کی موت کے واقع ہونے میں جلدی کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے۔"(۳۶)

عصر حاضر کے مشہور عالم وفقیہ علامہ یوسف القرضاوی نے قتل بہ جذبۂ رحم کے ناجائز ہونے کی وجوہات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور اسے سماج اور معاشرہ کے لئے بڑا سانحہ قرار دینے کے بعد وہ یہ بھی لکھتے ہیں:

"قتل بہ جذبۂ رحم ایک ایسا عمل ہے جس میں لا علاج اور ناقبل برداشت تکلیف میں مبتلا شخص کی زندگی کو مہلک انجکشن یا تیز دواؤں کے ذریعہ ختم کردیا جاتا ہے۔مہلک انجکشن بجلی کا جھٹکا، تیز دھاردار چیز یا کسی اور طریقہ سے مریض کی زندگی کو ختم کیا جائے،یہ سب قتل کے ذرائع ہیں جس سے قتل کے فعل کا ارتکاب ہوتا ہے اور قتل اسلام میں گناہ کبیرہ ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے جو خالص رحم دلی والا مذہب ہے۔"(۳۷)

میڈیکل سائنس،تہران یونیورسٹی، ایران کے اسسٹنٹ پروفیسر کیورش ارامیش اور شعبہ اسلامک اسٹڈیز، ارفورٹ یونیورسٹی کے حیدر شادی اپنے ایک مشترکہ مقالہ 'قتل بہ جذبۂ رحم: اسلامی اخلاقیات کے تناظر میں' میں لکھتے ہیں:

"اسلامی شریعت ماخوذ ہے قرآن پاک سے۔ یہ کسی شخص کے لئے رضا کارانہ Euthanasia کے حق کو تسلیم نہیں کرتا۔اسلام کا نقطہ نظر قتل بہ جذبۂ رحم کے خلاف ہے۔اس کی دو اہم وجوہات

ہیں۔ پہلی یہ کہ انسان کی زندگی محترم ہے۔ قتل بہ جذبۂ رحم اور خودکشی جائز وجوہات (جس کی بنا پر کسی کا قتل مباح ہوجاتا ہے) کی بنا پر قتل کیے جانے میں شامل نہیں ہے۔ دوسری یہ کہ اللہ ہی یہ طے کرے گا کہ کوئی کتنے دنوں تک زندہ رہے گا۔ اس کی تصدیق قرآن کریم کی آیات سے بھی ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق زندگی اللہ تعالی کا عطیہ ہے۔ اسے براہ راست یا بالواسطہ اور رضا کارانہ یا غیر رضا کارانہ طریقے سے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ جملہ علماءِ اسلام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قتل بہ جذبہ رحم حرام ہے۔ اس مسئلہ میں سنی اور شیعہ مکتب فکر کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ موت کا وقت (اجل) اللہ تبارک وتعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ انسان کو اجل میں جلدی اور تاخیر کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے اور نہ اس میں اس کا کوئی عمل دخل ہونا چاہیے۔ یہ بات ہر شخص پر نافذ ہوتی ہے۔ یعنی نہ بیماری کی وجہ سے زندگی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے اور نہ خودکشی کے ذریعہ اور نہ کسی دوسری وجہ سے۔ اس معاملے میں خود مختاری، آزادی اور خود پسندی کام نہیں دے گی۔ نیز زندگی کو سلب کرلینا یا ختم کردینا اس کے رشتہ داروں اور سماج ومعاشرہ کو شدید نقصان پہنچانے کا بھی سبب ہے۔ فرد کی آزادی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دوسروں کے نقصان کا ذریعہ بنے۔ نتیجہ کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ زندگی اللہ کی عطا کردہ ہے۔ اللہ وہ ہے جو زندگی دیتا ہے اور لیتا بھی ہے۔ جب کہ کوئی آدمی کسی کو نہ زندگی دے سکتا ہے اور نہ چھین سکتا ہے۔ اس لئے مسلمان Euthanasia کے خلاف ہیں۔ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ سارے انسان کی زندگی مقدس ہے۔ کیوں کہ یہ اللہ کی عطا کردہ ہے اور اللہ ہی یہ طے کرے گا کہ کسی بھی انسان کو کتنے دنوں تک زندہ رہنا چاہیے۔ انسان کو اس معاملے مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔'' (۳۸)

مورخہ ۱۱ دسمبر ۲۰۰۴ء کو دارالافتا، قاہرہ مصر سے قتل الرحم کے بارے میں ایک سوال کیا گیا تھا۔ اس میں ہے کہ ترس کھا کر یا بیماری کی شدت یا لاچار ہونے کی وجہ سے کوئی شخص ڈاکٹر سے اپنی زندگی کے ختم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے یا ڈاکٹر از خود مریض کے بارے میں ایسا ارادہ رکھتا ہے کہ معذوری میں مبتلا یا درد میں گھٹ گھٹ کر زندہ رہنے کے بجائے اس کا مرجانا ہی بہتر ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے مفتی ڈاکٹر علی جمعہ محمد لکھتے ہیں:

''دراصل یہ جسم جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو عطا فرمایا ہے، وہ انسان کی ملکیت نہیں ہے کہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے۔ بلکہ یہ ایک امانت ہے جس کے بارے میں قیامت کے دن سوال وجواب ہوگا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى

التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوَاْ إِنَّ اللّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ ''البقرہ: ۱۹۵(اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، احسان کا طریقہ اختیار کرو کہ اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔)وہ مریض جو ڈاکٹر سے کسی نہ کسی طریقے سے اپنی زندگی کے ختم کرنے کی درخواست کرتا ہے، وہ خودکشی کرنے والوں کے زمروں میں شامل ہوتا ہے۔

رہی بات ڈاکٹر کے ازخود کسی مریض کی زندگی ختم کردینے کی کسی مصلحت کی بنا پر، تو یہ بھی ناحق جان لینے کے زمرے میں شامل ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:'' وَمَن يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُّتَعَمِّداً فَجَزَآؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِداً فِيهَا وَغَضِبَ اللّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَاباً عَظِيماً۔'' النساء: ۹۳(رہا وہ شخص جو کسی مومن کا جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لئے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔)اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: کسی بھی ایسے مسلمان شخص کا خون حلال نہیں ہے جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، مگر تین چیزوں میں سے کسی ایک وجہ سے: جان کے بدلے جان، شادی شدہ زنا کار اور دین اسلام سے نکل جانے والا یعنی جماعت کو خیر باد کہہ دینے والا۔

لہٰذا سوال میں مذکور قتل رحیم کے دونوں پہلو شرعی طور پر ناجائز ہیں اور بڑے گناہوں میں شامل ہیں، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی حدیثوں میں آیا ہے۔ ڈاکٹروں کو یہ جاننا بھی لازمی ہے کہ خالق کی نافرمانی کر کے کسی مخلوق کی اطاعت کرنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا ڈاکٹروں کو ایسا عمل اختیار کرنے سے بچنا چاہیے، چاہے مریض کتنی ہی منت وسماجت کیوں نہ کرے اور انہیں ہرگز ان کی درخواست پر ناحق کسی کی جان نہیں لینی چاہیے۔(۳۹)

۳۰ جولائی ۲۰۰۸ء میں European Council for Fatawa and Research کی طرف سے ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس میں قتل بہ جذبۂ رحم کے بارے میں شریعت اسلامی کے موقف کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

''براہ راست یعنی Active Euthanasia اور خودکشی نیز اس میں تعاون کرنا حرام ہے۔ شریعت اسلامی کے مطابق ایک آدمی جو لاعلاج بیماری میں مبتلا ہے، اس کے لئے خود کو مار ڈالنا جائز نہیں ہے۔ اطبا، مریض کے رشتہ دار اور خود مریض کو اس طرح کے عمل سے گریز کرنا چاہیے۔ چاہے اس کی حالت جتنی بھی خراب ہو۔ احساس کمتری میں مبتلا ہو کر یا یہ سوچ کر کہ مرض متعدی ہے، خود کو یا کسی کو مارنے کا اختیار نہیں ہے۔ جو کوئی ایسا کرے گا وہ قاتل شمار کیا جائے گا۔ قرآن

کریم کی آیات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ قتل نفس حرام ہے۔اللہ تعالی ایک جگہ فرماتا ہے: ''اور کسی جان کو جسے اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے ہلاک نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔'' (الانعام:۱۵۱) ایک اور جگہ پر ارشاد ہوا ہے: ''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے اس کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔'' (المائدہ:۳۲) یہ بھی غیر قانونی عمل ہے کہ مریض خود کو ہلاک کرلے۔ شریعت اسلامی اس کے بھی خلاف ہے کہ کوئی دوسرا آدمی اسے قتل کرے گرچہ مریض نے ایسا کرنے کی اسے اجازت دی ہو۔ پہلا طریقہ خودکشی میں شمار ہوگا اور دوسرا قتل میں۔ کیوں کہ مریض کی اجازت کسی ناجائز چیز میں معتبر نہیں ہوگی۔ مریض کو اپنی زندگی پر اختیار نہیں ہے کہ وہ دوسروں کو اس میں تصرف کرنے کی اجازت دے۔'' (۴۰)

آل انڈیا اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی نے سولہویں فقہی سمینار منعقدہ ۳۱/ مارچ تا ۲/اپریل ۲۰۰۷ء (بمقام دار العلوم مہذب پور اعظم گڑھ) میں علماءِ ہند کی آرا کو سامنے رکھ کر متفقہ طور پر یہ فیصلہ کیا کہ قتل بہ جذبۂ رحم ناجائز اور حرام ہے۔ اکیڈمی کی تجاویز میں اس بات کی رعایت موجود ہے کہ اگر کوئی شخص یا اس کے احباب علاج کے اخراجات کے متحمل نہ ہوں اور کوئی دوسری صورت مالی تعاون کی بھی نہ ہوتو ایسی حالت میں وہ خدا پر بھروسا کر کے علاج ترک کرسکتا ہے، البتہ تشفی کے لئے معمولی علاج ضرور جاری رکھے۔ کبھی کبھی معمولی علاج بھی مریض کو صحت عطا کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے اور اسے کثیر الاخراجات علاج سے بچا دیتا ہے۔ اکیڈمی کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:

''شریعت اسلامی میں انسانی جان کی بڑی اہمیت ہے اور حتی المقدور اس کی حفاظت خود اس شخص کا اور دوسروں کا فریضہ ہے، اس لئے:

(۱) کسی مریض کو شدید تکلیف سے بچانے یا اس کے متعلقین کو علاج اور تیمارداری کی زحمت سے نجات دلانے کے لئے عمداً ایسی تدبیر کرنا جس سے اس کی موت واقع ہو جائے، حرام ہے اور یہ قتل نفس ہے۔

(۲) ایسے مریض کو گو مہلک دوا نہ دی جائے، مگر قدرت کے باوجود اس کا علاج ترک کر دیا جائے، تاکہ جلد سے جلد اس کی موت واقع ہو جائے، یہ بھی جائز نہیں ہے۔'' (۴۱)

حوالہ جات وحواشی

(1) "I.P.C 306. Abetment of suicide If any person commits suicide, whoever abets the commission of such suicide, shall be punished with imprisonment of either description for a term which may extend to ten years, and shall also be liable to fine" (http://www.Is Euthanasia Legal in India- Reviws)

(2) http://www.legalizing euthanasia in india.Taber's Cyclopedic Medical Medical Dictionary, Edited By: Donal Venes M.D. Vol: 1, P: 817, Jaypee Brothers Medical Publishers (P) LTD, Daryaganj, New Delhi.21 Edition, 2009. http://www.legalizing euthanasia in india.

(3) Churdhill livingstone Medical Dictionary Naney Roper, Edinburgh. EHI. 1981 P:114, Cong. Grorp Limt. Oxford Advanced Lerners Dictionary, A S Hornby, Oxford University Prese, pp:520, 962,8th Edition 2010. The New Encyclopaedia Britanica, V:III, P :1006,Helen Hemingway Benton Publisher, 1973-1974.

(4) "Euthanasia conducted with the concent of the patient is called Voluntary Euthanasia."(Taber's Cyclopedic Medical Dictionary, Vol: 1, P: 817)

(5) "Someone provides an individual with the information, guidance, and means to take his or her own life with the intention that they will be used for this purpose. When it is a doctor who helps another person to kill themselves it is called "physician assisted suicide."(Taber's Cyclopedic Medical Dictionary,Vol: 1, P:817)

(6) euthanasia" "Euthanasia conducted againts the will of the patient is termde involuntry (Taber's Cyclopedic Medical Dictionary, Vol: 1, P: 817.)

(7) "This type is done where the patient is unavailable for example a child euthanasia"" (Taber's Cyclopedic Medical Dictionary, Vol: 1, P: 817.)

(8) Taber's Cyclopedic Medical Dictionary, Vol: 1, P: 817.Healt Encyclopedia Dr. Robert Yougson, P:280-282,London, 2001

(9) "Active euthanasia entails the use of lethal substances or forces to kill." (Taber's Cyclopedic Medical Dictionary, Vol: 1, P: 817.)

(10) "Passive euthanasi entails the withholging of common treatment, such as antibiotics, necssary for the continuance of lif." (Taber's Cyclopedic Medical Dictionary, Vol: 1, P: 817.)

(۱۱) قتل بہ جذبہ رحم اور دماغی موت فقہ اسلامی کی روشنی میں (مجموعہ مقالات عالمی فقہی سیمنار) مقالہ بعنوان: جذبہ ترحم کے تحت قتل اور معالج کی مدد سے خودکشی کی بابت شرعی واخلاقی پہلو، پروفیسر ڈاکٹر عمر کاسولے، ص:۶۳، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء

(12) http://www.religious views on euthanasia-wikipedia the free encyclopedia.

(13) http://www.religious views on euthanasia-wikipedia the free encyclopedia.

(14) http://www.religious views on euthanasia-wikipedia the free encyclopedia.

(15) http://www.religious views on euthanasia-wikipedia the free encyclopedia.

(16) http://www.religious views on euthanasia-wikipedia the free encyclopedia.

(17) Pope Jhon Paul II Evangelium Vitae,1995.National Conference of Catholic Bishops (USA), 1991. - National Conference of Catholic Bishops (NCCB) National Conference of Catholic Bishops (NCCB) and the United States Catholic Conference (USCC) (http://www.BBC-Ethics-Euthanasia Religions and euthanasia)

(18) http://www.religious views on euthanasia-wikipedia the free encyclopedia.

(19) http://www.bulzzle.com/articles/history-of-euthanasi.html

(20) Ramsay, J H R (28 May 2011). "A King, a doctor, and a convenient death". British Medical Journal 308 (1445). Retrived 2 August 2011.

(21) http//www.Derek Humphry-Wikipedia the free encyclopedia

(۲۲) صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات، مولانا جلال الدین عمری، ص:۲۶۱-۲۶۴، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی

دہلی،۲۰۰۲ء

(۲۳) صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات، ص:۲۶۳

(۲۴) بدرالحسن قاسمی، عصر حاضر کے فقہی مسائل، ص:۲۷، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۰ء

(25) International N G O Jornal, Vol.3 (12), pp. 229, December 200b, Availabal online at htt://www.academicjornals.org/INGOJ

(۲۶) تفصیل کے لئے دیکھئے: کے.بی.ایل.انسٹی ٹیوٹ آف لا جالندھر کے اسسٹنٹ پروفیسر: 'منیندر کور' کا مضمون: "Legalisation of Euthanasia in India- A Critical Analysis" Availabal online at: http://www.legalisation of euthanasia in indi-a critical analysis-Law Herald.

(۲۷) صحت ومرض اور اسلامی تعلیمات، ص:۲۶۴-۲۶۵

(28) "Passive euthanasia is legal in india.On 7 March 2011 the Supreme Court of india legalised passive euthanasia by means of the withdrawal of life support to patients in a permanent vegetative state. Forms of Active euthanasia, including the administration of lethal compounds, are illegal." (http://www.euthanasia in india-wikipedia the free encyclopedia.) The Times of india, New Delhi. 7 March 2011 "India's, Supreme Court lays out euthanasia guidelines". http://www.India joins select nation in legalising "passive euthanasia" (The Hindu, New Delhi. March, 7, 2011). http://www.India's Supreme Court lays out euthanasia guidelines". LA Times. 8 March 2011. Retrieved 8 March 2011)

(29) http://www.Is Euthanasia Legal in India- Reviws. see also:

Legalization of Euthanasia in India with Specific Reference to the Terminal Ill: Problems and Perspectives, By: Tanaia Sebastian, Journal of Indian, Law and Society, (Vol. 2 : Monsoon)

(۳۰) الموافقات فی اصول الشریعة، ابی اسحق الشاطبی، ص:۱۶۳، ج:۲، المسألة الثانیہ، مطبع رحمانیہ، مصر

(۳۱) قطع حیات بہ جذبہ رحم، ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی، سلیمان اکیڈمی، بھتورا، مدھوبنی، بہار، ۲۰۱۰ء

نیز دیکھئے : راقم الحروف کی کتاب 'قتل بہ جذبہ رحم : نوعیت مسئلہ اور اسلامی نقطہ نظر، الرحمٰن پرنٹر و پبلیکیشنز، کول؛ کولکات، (یہ کتاب اشاعت کے لئے پریس میں جا چکی ہے۔) نیز ملاحظہ کریں: 'قتل بہ جذبہ رحم اور

دماغی موت فقہ اسلامی کی روشنی میں(مجموعہ مقالات عالمی فقہی سمینار) ، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، نئی دہلی،۲۰۰۸ء،

(۳۲) دیکھئے:'قتل بہ جذبہ رحم: نوعیت مسئلہ اور اسلامی نقطہ نظر' کا پیش لفظ

(۳۳) بدرالحسن قاسمی،عصر حاضر کے فقہی مسائل،ایفا پبلیکیشنز،نئی دہلی،۲۰۱۰ء

(۳۴) صحیح البخاری،کتاب الادب،باب رحمة الناس والبهائم

(۳۵) شعب الایمان للبیہقی: ج:۷،ص:۱۲۳،رقم:۹۷۱۵

(36) http://people.virginia.edu/~aas/article/article3.htm, http://www.An Islamic viewpoint on suffering and Euthanasia

(37) htt://www.IslamOnline.net on March.22, 2005

(38) The Iranian Journal of Allergy Asthama and Immunology, Febuary 2007

(39) http://www. dar-alifta.org, see also: http://www.aligomaa.net/ http://www. dar-alifta.com , http://www. dar-alifta.net

(40) htt://www.e-cfr.org: On July 30, 2008 see also: http://www.what are muslim perspectives on euthanasia and physician-assisted suicide?

(۴۱) قتل بہ جذبہ رحم اور دماغی موت فقہ اسلامی کی روشنی میں،ص:۲۹-۳۰،اسلامک فقہ اکیڈمی،انڈیا،نئی دہلی،۲۰۰۸ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

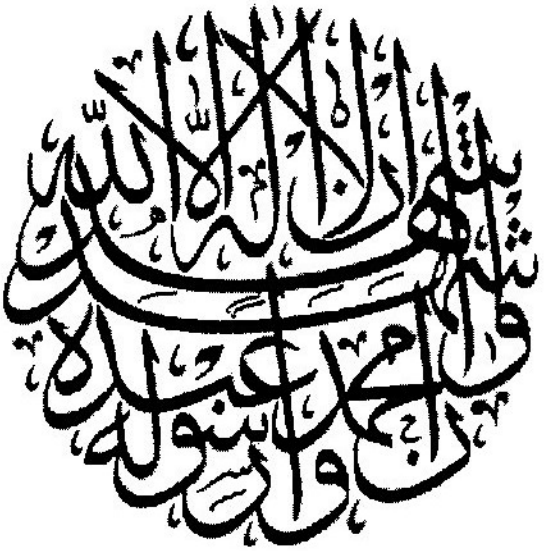
أشهد أن لا إله إلا الله
وأن محمدا عبده ورسوله